OPEN ACCESS
ABHATH
(Research Journal of Islamic Studies)
Published by: ***Department of Islamic Studies, Lahore Garrison University, Lahore.***

ISSN (Print) : 2519-7932
ISSN (Online) : 2521-067X
April-June-2024
Vol: 9, Issue: 34
Email:abhaath@lgu.edu.pk
OJS:https://ojs.lgu.edu.pk/index.php/abhath/index

امام ترمذی کی اصطلاح ”حسن“ کا تحقیقی جائزہ

A Research Review of Imām Tirmidhī's Term "Ḥasan"

Naveed Ahmad
PHD Scholar, Department Of Hadith,Islamia Univeristy Of Bahawalpur:
na.bashaar@gmail.com
Muhammad Sana Ullah
Lecturer Islamic Studies, University of the Punjab Jhelum Campus.Jhelum**:**
muhammad.sana.lectpu@gmail.com
DOI: https://doi.org/10.54692/abh.2024.09342187

Abstract:Ḥadith is not merely a saying of the Prophet of Islam. It is found in the cluster of sciences and among these the most important is the principles of ḥadith. Scholars have a difference in their views about the definition of " Ḥasan", a type of tradition. In the principles of ḥadith, many scholars have given different definitions of it. Imām Tirmidhī also has a different definition of ḥasan. Scholars have disagreed with Imām Tirmidhī in clarifying the correct meaning of this term. It is the result of his theoretical evaluation of the term Imām The real situation is that Imām Tirmidhī has used this term in several meanings. This can be known to the researcher who has first carefully.examined the original definition of Imām Tirmidhī, and later studied Jāmi Tirmidhī in such a way that Imām Tirmidhī has applied this term to which traditions. The researcher will understand the correct meaning of Imām Tirmidhī.

Keywords:Ḥasan Term, ḥadith, Imām Tirmidhī, Critical Analysis

امام ترمذی کا ائمہ حدیث کی صف میں بلند مقام و مرتبہ ہے، آپ کی کتاب جامع ترمذی کتب حدیث میں نمایاں مقام رکھتی ہے، امام ترمذی کا شمار ائمہ متقدمین میں ہوتا ہے، علوم حدیث پر بھی آپ خاصی دسترس رکھتے تھے۔ کئی ایک اصطلاحات کی بنیاد آپ نے رکھی، مجتہد مطلق کا درجہ رکھتے تھے، امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری کے شاگرد خاص تھے۔ امام بخاری کے کئی ایک علمی شاہ پارے ہیں، جن کا واحد مصدر و مرجع جامع ترمذی اور العلل الکبیر للترمذی ہے۔ آپ نے اپنی کتاب میں کئی ایک اصطلاحات کو ذکر کیا ہے۔ بعض اصطلاحات ایسی بھی ہیں جن کی مراد واضح کرنے کی علمائے کرام نے کوشش کی ہے، اس میں مزید تحقیق و تنقید کی ضرورت اب بھی باقی ہے۔ ایسی ہی اصطلاحات میں سے ایک اصطلاح ”حسن“ ہے۔ سب سے پہلے امام ترمذی نے ہی نے اس اصطلاح کی ایک تعریف کی ہے، اگرچہ آپ سے پہلے بھی کچھ علمائے کرام نے اس اصطلاح کا استعمال کیا ہے، مگر سب سے پہلے اس کی تعریف کرنے کا منفرد اعزاز آپ کی شخصیت کو جاتا ہے۔ اب اس اصطلاح سے آپ کی مراد کیا ہے؟ اہل علم کی اس حوالے سے تحقیقات کا ماحصل کیا ہے؟ ان میں صحیح و غلط کیا ہے، ذیل میں اسی بارے میں ہم اپنی گزارشات بیان کر رہے ہیں۔

امام ترمذی کے نزدیک ”حسن“ کی تعریف

سب سے پہلے اس بات کو جاننے کی ضرورت ہے کہ امام ترمذی نے آخر حسن حدیث کی کیا تعریف کی ہے؟، امام صاحب اس بارے میں فرماتے ہیں:

”وما ذكرنا في هذا الكتاب حديث حسن فإنما أردنا به حسن إسناده عندنا كل حديث يروى لا يكون في إسناده من يتهم بالكذب، ولا يكون الحديث شاذا، ويروى من غير وجه نحو ذلك فهو عندنا حديث حسن“[1]

ترجمہ: ہم نے اپنی اس کتاب (جامع ترمذی) میں جو حدیث حسن کا تذکرہ کیا ہے، سند حسن سے ہماری مراد یہ ہے کہ ہر وہ حدیث جس کی سند میں متہم بالکذب راوی نہ ہو، حدیث شاذ نہ ہو اور وہ روایت ایک سے زیادہ طریق سے مروی ہو تو ہمارے نزدیک وہ حسن ہے۔

اس تعریف میں امام ترمذی نے حسن حدیث کے لیے تین شرائط لگائی ہیں:

1 سند میں متہم بالکذب راوی نہ ہو۔

(1) ترمذی۔ العلل الصغیر: ۷۵۸/۵۔ ت: احمد محمد شاکر، (داراحیاء التراث العربی، بیروت)
Tirmidhī, Al I'lal al Ṣaghir:5/758, Aḥmad Muḥammad Shākir,(Dār Aḥyā al Turāth al A'rbī,Beirūt)

2 روایت شاذ نہ ہو۔

3 وہ دوسرے کسی طریق سے بھی مروی ہے۔

اب امام ترمذی اپنی کتاب میں کبھی حسن کے ساتھ صحیح کو ملا دیتے ہیں اور ''حسن صحیح'' کا حکم ایک ساتھ لگاتے ہیں۔

بعض اوقات حسن کے ساتھ غریب کو ملاتے ہیں اور ''حسن غریب'' کہہ دیتے ہیں۔

بعض مقام پر ''حسن صحیح غریب'' تینوں اصطلاحات کو ایک ساتھ جمع کر دیتے ہیں۔

بعض دفعہ بطور خاص صرف ''حسن'' کہتے ہیں اور ہم یہاں صرف امام صاحب کی مجرد حسن والی اصطلاح پر بحث کر رہے ہیں۔

تعریف کی وضاحت

حسن کی اصطلاح کو واضح کرنے کے لیے تعریف کی تشریح وتوضیح لازمی امر ہے جو درج ذیل ہے:

پہلی شرط: امام صاحب کا قول: ''**لا يكون في إسناده من يتهم بالكذب** '' ترجمہ: سند میں متہم راوی نہ ہو

اس شرط سے امام صاحب کا مقصود واضح ہے کہ وہ راوی جس کا کذاب اور متہم بالکذب ہونا ثابت ہو جائے، شدید غفلت والی صفت بھی ساتھ ملحق ہو جائے اور وہ ایسی منکر روایات بیان کرے جن پر متابعت نہ کی گئی ہو تو جب کسی حدیث کی سند میں ایسا راوی ہو گا تو امام صاحب اس حدیث پر حسن کا حکم نہیں لگائیں گے، بلکہ وہ سند امام صاحب کے نزدیک ضعیف اور ساقط ہو گی۔امام صاحب کی ایک اور عبارت اس وضاحت کی حرف حرف تائید کرتی ہے، آپ فرماتے ہیں:

"فكل من روى عنه حديث ممن يتهم أو يضعف لغفلته وكثرة خطئه ولا يعرف ذلك الحديث إلا من حديثه فلا يحتج به"(2)

ترجمہ: متہم بالکذب، شدید غفلت کے سبب ضعیف اور کثیر الخطاء راوی کی وہ روایت جو اسی سے معروف ہو، (دوسرے کسی طریق کے ساتھ اس کی تائید نہ کی گئی ہو) تو اس کی روایت سے حجت پکڑنا جائز نہیں۔

(2) ترمذی۔العلل الصغیر: ۷۳۹/۵

Tirmidhī, Al I'lal al Ṣaghir:5/739

مزید ایک جگہ فرماتے ہیں:

"فكل من كان متهما في الحديث بالكذب أو كان مغفلا يخطىء الكثير فالذي اختاره أكثر أهل الحديث من الأئمة أن لا يشتغل بالرواية عنه"[3]

ترجمہ: ہر وہ راوی جو حدیث میں متہم بالکذب ہو، غفلت زدہ اور کثیر الخطاء ہو، اگر محدثین نے اس کے بارے میں اس مؤقف کو اختیار کیا ہے کہ اس روایت کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا جائے گا۔

دوسری شرط: امام ترمذی کا قول:" **ولا يكون الحديث شاذا** " ترجمہ: حدیث شاذ نہ ہو۔

احتمال اس بات کا ہو سکتا ہے کہ امام صاحب کا اس سے مقصود یہ ہو کہ وہ حدیث ایسی نہ ہو کہ اس کی ایک ہی سند ہو۔اسی طرح امام صاحب نے تیسری شرط میں فرمایا ہے کہ اس حدیث کا کوئی دوسرا طریق ہو۔

اس بنیاد پر دوسری اور تیسری شرط کا ایک ہی معنی ہو جاتا ہے، اسی وجہ سے ایک احتمال یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امام صاحب کا مقصود یہاں متن کا شاذ ہونا ہے، وہ متن دوسری صحیح حدیث کا مخالف ہو، امام ابن رجب نے اسی لیے اس عبارت کی وضاحت بایں الفاظ کی ہے:

'والظاهر أنه أراد بالشاذ ما قاله الشافعي، وهو أن يروي الثقات عن النبي صلى الله عليه وسلم خلافه"[4]

ترجمہ: ظاہراً یہی معلوم ہوتا ہے کہ امام ترمذی کی شاذ سے مراد وہی ہے، جو امام شافعی نے کہا ہے کہ شاذ وہ روایت ہے کہ ثقہ راوی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے خلاف روایت بیان کریں۔

لیکن جامع ترمذی اور اس کی احادیث پر امام صاحب کے حکم دیکھے جائیں تو دونوں معانی کا احتمال موجود ہے۔ بعض اوقات جب امام صاحب سند کے ضعیف ہونے کو واضح کریں، تب بھی روایت کو حسن نہیں کہتے، اسی طرح متن کی غرابت اور شذوذ کو واضح کرنا ہو، تب بھی روایت پر حسن کا حکم نہیں لگاتے۔ درج ذیل دو مثالوں سے یہ اچھی طرح واضح ہو جائے گا:

(ا) امام صاحب ایک روایت بایں الفاظ نقل کرتے ہیں:

(3) ترمذی۔العلل الصغیر: ۷۳۹/۵

Tirmidhī, Al I'lal al Ṣaghir:5/739

(4) ابن رجب، عبدالرحمن بن احمد، زین الدین، حنبلی، امام۔ شرح علل الترمذی: ۶۰۶/۲۔(مکتبۃ المنار، زرقا، اردن۔ط: اولی، ۱۹۸۷ء)

Ibne Rajabm Abdulreḥman bin Aḥmad, Zain ul deen, Ḥanbli ,Imām, Sharaḥ I'lal al Tirmidhī:2/606,(Maktaba al Manār Zurqā, Urdan,Ṭaba ola,1987)

"حدثنا نصر بن علي قال: حدثنا عيسى بن يونس، عن مجالد، عن الشعبي، عن جابر، عن النبي ﷺ قال: «لا تلجوا على المغيبات، فإن الشيطان يجري من أحدكم مجرى الدم»، قلنا: ومنك؟ قال: «ومني، ولكن الله أعانني عليه فأسلم» "

اس روایت کے بعد آپ فرماتے ہیں: "«هذا حديث غريب من هذا الوجه»،«وقد تكلم بعضهم في مجالد بن سعيد من قبل حفظه»"[5]

اب اس روایت کو جو غریب کہا ہے تو اس کی سند کی غرابت کو واضح کیا ہے، اس لیے آپ نے حسن کا حکم نہیں لگایا۔ حدیث کا متن تو معروف ہے، اس حدیث پر حسن کا حکم لگانے میں جو امر مانع ہوا ہے، وہ صرف سند کی غرابت ہے۔

(ب) امام ترمذی نے ایک روایت ان الفاظ میں نقل کی ہے:

"حدثنا علي بن نصر بن علي قال: حدثنا سليمان بن حرب قال: حدثنا حماد بن زيد، قال: قلت لأيوب: هل علمت أن أحدا قال في أمرك بيدك إنها ثلاث إلا الحسن؟، فقال: لا، إلا الحسن، ثم قال: اللهم غفرا إلا ما حدثني قتادة عن كثير، مولى بني سمرة، عن أبي سلمة، عن أبي هريرة، عن النبي ﷺ قال: «ثلاث» "

اس روایت کے بعد امام صاحب فرماتے ہیں:

"هذا حديث لا نعرفه إلا من حديث سليمان بن حرب عن حماد بن زيد، وسألت محمدا عن هذا الحديث فقال: حدثنا سليمان بن حرب، عن حماد بن زيد بهذا، وإنما هو عن أبي هريرة موقوف، ولم يعرف محمد حديث أبي هريرة مرفوعا. "[6]

ترجمہ: ہم اس روایت کو صرف سلیمان بن حرب عن حماد بن زید کے طریق سے جانتے ہیں۔ میں نے امام بخاری سے اس روایت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: یہ روایت اس طریق سے موقوف ہے، امام بخاری کے مطابق یہ روایت سیدنا ابوہریرہ سے مرفوعاً نہیں ہے۔

---

(5) ترمذی، محمد بن عیسیٰ، امام۔ جامع ترمذی: ۳/۴۶۷، رقم الحدیث: ۱۱۷۲۔ ت: بشار معروف عواد۔ (دار الغرب الاسلامی، بیروت۔ط:۱۹۹۸ء)

Tirmidhī, Muḥammad bin e'sa,Imām, Jām'e Tirmidhī:3/467,Raqam al Ḥadith:1172, Bashār Ma'roof A'wād,(Dār al Gharab al Islāmī,Beirūt ,Ṭaba:1998)

(6) ترمذی۔ جامع ترمذی: ۳/۴۷۳۔ رقم الحدیث: ۱۱۷۸

Tirmidhī, Jām'e Tirmidhī:3/473,Raqam al Ḥadith:1178

کثیر راوی کے علاوہ سند کے سب راوی جمہور محدثین کرام کے نزدیک ثقہ ہیں اور اس کو بھی امام عجلی اور امام ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے۔امام صاحب نے اس روایت کی تحسین صرف متن کے منکر ہونے کی وجہ سے نہیں فرمائی۔خود امام ایوب سختیانی کے حوالے سے ذکر بھی کیا ہے کہ انہوں نے کہا: میں ابن سمرہ کے غلام کثیر سے ملا اور اس روایت کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے اس روایت کا انکار کر دیا۔

مزید تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ امام نسائی نے بھی اس روایت کو منکر کہا ہے۔(7)

امام بیہقی بھی اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں:

"وقول العامة بخلاف روايته"(8)

ترجمہ: اکثر محدثین کا قول اس روایت کے خلاف ہے۔

امام شرف الدین طیبی امام صاحب کے اس قول کی وضاحت بایں الفاظ کرتے ہیں:

"وقد قصد بهذا القيد الاحتراز عن الصحيح؛ لأن شرط الصحيح أن يكون مشهور العدالة."(9)

ترجمہ: امام ترمذی نے یہ شرط صحیح سے احتراز برتتے ہوئے لگائی ہے، کیونکہ صحیح کی شرط یہ ہے کہ راوی عدالت میں مشہور ہو۔

تیسری شرط: امام صاحب کا قول:" يروى من غير وجه نحو ذلك "ترجمہ: وہ اسی طرح کے دوسرے کسی طریق سے بھی مروی ہو۔

حافظ ابن رجب حنبلی امام صاحب کی اس عبارت کو بایں الفاظ واضح کرتے ہیں:

---

(7) نسائی۔ سنن النسائی: ۶/۱۴۷، تحت رقم الحدیث: ۳۴۱۰۔ شیخ ناصر الدین البانی نے بھی سنن النسائی کی تحقیق میں اس روایت کو ''ضعیف'' کہا ہے۔البتہ جامع ترمذی(۴۰۷/۳) کی تحقیق میں آپ کا کہنا ہے کہ اس روایت کی مرفوع سند تو ضعیف ہے، لیکن حسن بصری سے مقطوع روایت صحیح ہے۔

Nasāī, Sunan al Nasāī:6/147, Raqam al Ḥadith:3410

(8) بیہقی۔السنن الکبریٰ:۵۷۱/۷، تحت رقم الحدیث:۱۵۰۴۸۔(دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان۔ط:ثالثہ،۲۰۰۳ء)

Baihqī, Al Sunan al Kubra:7/571,Raqam al Ḥadith:15048,(Dār al Kutab al I'lmia,Beirūt ,Lebanon,Ṭaba:Thāltha,2003)

(9) طیبی، حسین بن عبداللہ، شرف الدین، علامہ۔ الخلاصۃ فی معرفۃ الحدیث، ص:۴۱۔(المکتبۃ الاسلامیۃ للنشر والتوزیع۔ط: اولی، ۲۰۰۹ء)

Ṭaibī, Ḥussain bin Abdullah,Sharaf ul deen, Allāma, Al Khulāsa fī Ma'rifa al Ḥadith,P:41, (Al Maktaba al Islāmia linshar wa al tauze,e, Ṭaba Ola,2009)

"يعني أن يروي معنى ذلك الحديث من وجوه أخر عن النبي ﷺ .بغير ذلك الإسناد"[10]

ترجمہ: مراد یہ ہے کہ اس حدیث کا معنی و مضمون نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سند کے علاوہ دوسری کسی سند سے روایت کیا گیا ہو۔ مزید حافظ ابن رجب کا کہنا ہے:

"المعتبر أن يروى معناه من غير وجه، لا نفس لفظه."[11]

ترجمہ: معتبر بات یہی ہے کہ حدیث کا معنی کسی دوسرے طریق سے ثابت ہو۔ من و عن وہ الفاظ ضرورت نہیں ہیں۔

حافظ زین الدین عراقی کا ایک اعتراض اور اس کا جواب

حافظ زین الدین عراقی نے اس شرط کے حوالے سے امام صاحب پر ایک اعتراض کیا ہے:

"اشترط في الحسن أن يروى من غير وجه نحوه. ومع ذلك فقد حسن أحاديث لا تروى إلا من وجه واحد، كحديث إسرائيل، عن يوسف ابن أبي بردة، عن أبيه، عن عائشة، قالت: كان رسول الله - ﷺ - إذا خرج من الخلاء قال: غفرانك. فإنه قال فيه: حسن غريب لا نعرفه إلا من حديث إسرائيل، عن يوسف ابن أبي بردة. قال: ولا يعرف في هذا الباب إلا حديث عائشة"[12]

ترجمہ: امام ترمذی نے حسن روایت میں شرط تو لگائی ہے کہ وہ کسی دوسرے طریق سے بھی مروی ہو، اب کئی ایک احادیث ایسی ہیں جو ایک ہی طریق سے مروی ہیں، لیکن امام صاحب نے ان کو حسن کہا ہے، جیسا اسرائیل عن یوسف عن ابیہ عن عائشہ والی روایت ہے۔۔۔ امام صاحب نے اس روایت کے بارے میں کہا ہے کہ ہم اس حدیث کو صرف اسرائیل عن یوسف ابن ابی بردہ کے طریق سے ہی جانتے ہیں اور اس باب میں صرف حدیث عائشہ ہی معروف ہے۔

---

(10) ابن رجب۔ شرح علل الترمذی: ۶۰۶/۲

Ibne Rajab, Sharaḥ I'lal al Tirmidhī:2/606

(11) ایضا

Ibid

(12) عراقی، عبدالرحیم بن حسین، زین الدین، امام۔ شرح التذکرة والتبصرہ=الفیۃ العراقی: ۱۵۳/۱۔ (دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان۔ط: اولی، ۲۰۰۲ء)

A'rāqī,Abdulraḥeem bin Ḥussain,Zain ul deen,Imām,Sharaḥ al Tazkra wa al Tabṣra=al Fiat al A'rāqī:1/153,(Dār al Kutab al I'lmia,Beirūt ,Lebanon, Ṭaba ola,2002)

اعتراض کا جواب:

حافظ عراقی نے اعتراض کرنے میں جلد بازی کا مظاہرہ کر دیا ہے۔امام صاحب کی اصطلاح اور اس کی شروط پر ٹھیک سے غور نہیں کیا۔ تھوڑا سا غور کرنے سے یہ اعتراض خود قابل اعتراض بن جاتا ہے، کیونکہ "روایت دوسرے طریق سے بھی مروی ہو" والی شرط امام ترمذی نے صرف مجرد حسن روایت کے حوالے سے لگائی ہے، حسن غریب سے متعلق یہ شرط بالکل نہیں ہے۔ حسن غریب سے تو لازم آتا ہے کہ وہ روایت ایک ہی طریق سے ہو۔ حسن کے ساتھ غریب کی صفت اسی لیے لگائی ہے کہ یہ روایت حسن تو ہے، لیکن ایک ہی طریق سے مروی ہونے کے سبب غریب بھی ہے، فللہ الحمد۔

اب یہاں ایک سوال ہے کہ کیا منقطع روایت امام صاحب کے نزدیک حسن کے حکم میں شامل ہے یا نہیں تو جواب یہ ہے کہ منقطع روایت کو بھی امام صاحب حسن کے حکم میں شامل کر لیتے ہیں۔

حسن روایت کی اس تعریف سے حافظ ابن کثیر کی لاعلمی

بلاشک وشبہہ حافظ ابن کثیر تفسیر، حدیث، تاریخ اور دیگر علوم اسلامیہ کا وسیع مطالعہ رکھتے تھے، لیکن امام ترمذی نے جو حسن حدیث کی تعریف کی ہے، وہ آپ کی نظر سے نہیں گزری، اس لیے آپ نے حافظ ابن الصلاح سے اس تعریف کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"وهذا إذا كان قد روي عن الترمذي أنه قاله ففي أي كتاب له قاله وأين إسناده عنه، وإن كان قد فُهِم من اصطلاحه في كتابه " الجامع " فليس ذلك بصحيح"(13)

ترجمہ: حافظ ابن الصلاح نے جو امام ترمذی سے متعلق کہا ہے کہ انہوں نے حسن حدیث کی یہ تعریف کی ہے تو سوال یہ ہے کس کتاب میں انہوں نے یہ بات کہی ہے اور اس قول کی سند کہاں ہیں؟ البتہ امام ترمذی نے اپنی جامع میں جو اصطلاح کو استعمال کیا ہے، اگر انہوں نے اس سے اس تعریف کو اخذ کر لیا ہے تو یہ صحیح نہیں ہے۔

حافظ ابن کثیر کے بارے میں لازمی طور پر ہم یہی کہیں گے کہ "العلل الصغیر للترمذی" کتاب آپ نے نہیں دیکھی۔ایک عرصہ تک یہ مختصر سا رسالہ مفقود بھی رہا ہے اور اہل علم کے مابین معروف ہے۔ حافظ ابن رجب حنبلی نے اسی کتاب کی مفصل شرح لکھی ہے۔ ایسا باقی علمائے کرام کے ساتھ بھی ہوا ہے کہ کچھ معروف کتب وہ اپنے

---

(13)ابن کثیر۔الباعث الحثیث الی اختصار علوم الحدیث، ص:۳۸۔ت:احمد محمد شاکر۔(دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان۔ط:ثانیہ)
Ibne Kathir, Al Bāi'th al Ḥathith ila Ikhtiṣār U'loom al Ḥadith,P:38,Aḥmad Muḥammad Shākir,(Dār al Kutab Al I'lmia Beirūt ,Lebanon, Ṭaba, Thānia)

علاقے میں نہیں دیکھ سکے اور انہیں اپنے علاقے سے نکلنے کا موقع نہیں ملا۔ امام ابن حزم کی مثال ہی لیجیے، وہ امام ترمذی جیسی جلیل القدر شخصیت سے واقف نہیں ہوئے۔ وہ آپ کو مجہول سمجھتے رہے۔

امام ترمذی کی اصطلاح حسن کے بارے میں علمائے کرام کی آرا اور ان کا تنقیدی جائزہ

امام ترمذی کی اصطلاح ''حسن'' کے بارے میں کئی ایک علمائے کرام نے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ اپنے ذہن اور فہم کے مطابق امام صاحب کی مراد کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ کچھ علمائے کرام نے اس تعریف پر تنقید کی ہے اور امام صاحب کی تعریف کو غیر واضح اور غیر مانع کہا ہے۔ چند ایک علمائے کرام کی ایسی آرا اور ان کا تنقیدی جائزہ درج ذیل ہے:

اہل علم کی نظر میں حسن روایت سے امام ترمذی کی مراد

کئی ایک اہل علم نے امام ترمذی کی حسن سے مراد کو واضح کیا ہے، ان میں سے چند ایک آرا ذیل میں رقم کی جا رہی ہیں: حافظ ابن حجر عسقلانی اس بارے میں فرماتے ہیں:

"إنَّ الترمذي لم يعرف الصحيح ولا الضعيف ولا الحسن المتفق على كونه حسناً -يعني عند المتقدمين كالشافعي والبخاري وأحمد - بل عرف حديث المستور ، ومن يشترك معه بسبب ضعفه أو اختلاطه أو تدليسه أو ما في سنده انقطاع خفيف فكل ذلك من قبيل الحسن بالشروط الثلاثة"[14]

ترجمہ: امام ترمذی نے صحیح، ضعیف اور متقدمین ائمہ امام شافعی، امام بخاری اور امام احمد کے نزدیک حسن کی متفقہ تعریف نہیں کی، بلکہ انہوں نے مستور راوی کی روایت کی تعریف کی ہے کہ اگر مستور راوی کے ساتھ ضعف، اختلاط، تدلیس اور سند کا خفیف انقطاع مل جائے تو ان تین شرطوں کے ساتھ اس قبیل کی ساری روایات حسن ہی کہلائیں گی۔ علامہ امیر صنعانی امام صاحب کی تعریف کے بارے میں کہتے ہیں:

"والقسم الثاني: هو ما وقع عليه اصطلاح الترمذي وهو الذي لم يشترط فيه الاتصال ولا عدم تدليس راوية ولا وصفة بالغلط والخطأ ولا عدم ضعفه ولا عدم سماع الراوي من شيخه بعد الاختلاط كم قررناه كله بأمثلته عن كلامه وإنما اشترط أن يروي من غير وجه نحو ذلك فهذا

---

(14) ابن حجر۔ النکت علی کتاب ابن الصلاح، ص:۶۸۔۷۰۔ (عمادة البحث العلمي بالجامعة الاسلامية، مدینہ منورہ۔ ط: اولیٰ، ۱۹۸۴ء) یہ حافظ ابن حجر کی تفہیم و توضیح کا ماحصل ہے۔
Ibne Ḥajar, al Nukat ala Kitāb ibne al ṣalāḥ,P:68-70,(A'mādat al Baḥath al I'lmi bil Jāmi'a al Islāmia, madina Munawara,Ṭaba ola 1984)

يوصف بالحسن عند الترمذي وهو بهذا الرسم مباين للصحيح لا يلاقيه بعموم ولا خصوص مباين للحسن أيضا المعنى الأول."(15)

ترجمہ: حسن کی دوسری قسم (حسن لغیرہ) وہی ہے جو اصطلاح امام ترمذی کے حسن کی ہے، انہوں نے سند میں اتصال، راوی کے مدلس، کثیر الغلط والخطاء، ضعیف اور راوی کا اپنے شیخ سے بعد از اختلاط سماع نہ ہونے کی شرط نہیں لگائی، جیسا کہ ہم نے مثالوں کے ساتھ اس موقف کو مضبوط کیا ہے۔ انہوں نے روایت کے بارے میں صرف متعدد طرق سے مروی ہونے کی شرط لگائی ہے، یہی امام ترمذی نے نزدیک حسن کا مفہوم ہے، حسن کی یہ تعریف عموم اور خصوص دونوں اعتبار سے صحیح سے مباین ہے۔ اسی طرح حسن لذاتہ سے بھی الگ ہو جاتی ہے۔

حافظ ابو عبداللہ بن ابی بکر بن المواق کہتے ہیں:

"أن الترمذي لم يَخُص الحسن بصفة تميزه عن الصحيح؛ فلا يكون صحيحًا إلا وهو غير شاذ، ولا يكون صحيحًا حتى يكون رواته غير متهمين؛ بل ثقات، قال: فظهر من هذا، أن الحسن عند أبي عيسى، صفة لا تخص هذا القسم،بل قد يَشْرَكه فيها الصحيح؛ فكل صحيح عنده حسن، وليس كلُّ حسن صحيحًا.ويشهد لهذا أنه لا يكاد يقول في حديث يصححه إلا: حَسنٌ صحيح"(16)

ترجمہ: امام ترمذی نے حسن کو کسی ایسے وصف کے ساتھ مختص نہیں کیا جو اسے صحیح سے الگ کردے، کیونکہ ہر صحیح روایت بھی شاذ نہیں ہوتی، نہ ہی صحیح روایت میں متہم بالکذب راوی ہوتے ہیں، بلکہ وہ ثقہ ہوتے ہیں، اس سے واضح ہو گیا کہ امام ترمذی کے نزدیک جو حسن کی تعریف ہے، وہ کوئی حسن کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ اس میں صحیح بھی شامل ہے، لہٰذا ہر صحیح ان کے نزدیک حسن ہے، لیکن ہر حسن صحیح نہیں ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ جب بھی وہ کسی حدیث کو صحیح کہتے ہیں تو اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔

علامہ ابن سید الناس اس پر ردّ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

---

(15) امیر صنعانی، محمد بن اسماعیل، عزالدین، امام۔ توضیح الافکار لمعانی تنقیح الانظار: ۱/۱۵۴۔۱۵۵۔ (دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان۔ ط: اولی، ۱۹۹۷ء)

Ameer ṣan’ānī, Muḥammad bin Ismāe’l, I’zuldeen,Imām, Tuazeeḥ al Afkār li Ma’ānī Tanqeeḥ al Anzār:1/154-155,(Dār al Kutab al I’lmia, Beirūt , Lebanon, Ṭaba ola,1997)

(16) ابن سید الناس۔ النفح الشذی شرح جامع الترمذی: ۱/۳۲۔ (دار الصمیعی للنشر والتوزیع، ریاض، ط: الاولی، ۲۰۰۷م)

Ibne Sayed al Nās, Al Nafaḥ al Shuzī Sharaḥ Jām’e al Tirmidhī:1/32,(Dār al ṣamee’ī lil Nashar wa al tuaze’e,Riyād,Ṭaba al ola,2007)

"قلت: بقي عليه أنه اشترط في الحسن أن يُروى نحوُه من وجه آخر، ولم يشترط ذلك في الصحيح؛ فانتفى أن يكون كل صحيح حسنًا"(17)

ترجمہ: میرا کہنا ہے کہ امام ترمذی نے حسن میں یہ شرط بھی لگائی ہے کہ وہ دوسرے کسی طریق سے بھی مروی ہو اور یہ شرط انہوں نے صحیح میں نہیں لگائی تو یہ بات پھر ختم ہو گئی کہ امام ترمذی کے نزدیک ہر صحیح حسن ہے۔

حافظ سخاوی امام ترمذی کی اصطلاح کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"وكأنه أراد المعنى اللغوي، وهو حُسن المتن"(18)

ترجمہ: گویا کہ امام صاحب کی مراد لغوی حسن ہے اور وہ متن کا خوبصورت ہونا ہے۔

ڈاکٹر نورالدین عتر نے امام صاحب کی مراد کو بایں الفاظ واضح کیا ہے:

"أما الحسن لغيره: فهو الحديث الضعيف الذي تعددت طرقه وكثرت بما يجبر وهنه وضعفه، وهوما يطلق عليه الترمذي حسن وقد نزل عليه ابن الصلاح كلام الترمذي في الحديث الحسن.فالترمذي إذن يوافق المحدثين في تسمية الحسن لكن يخالفهم في التمييز بين نوعيه فإذا أطلق كلمة حسن من غير صفة أو قرينة أخرى فمراده الحسن لغيره، أما المحدثون فيريدون الحسن لذاته وإذا أراد الحسن لذاته أشعر في حكمه بتفرد هذا السند في الحكم بالحسن."(19)

ترجمہ: حسن لغیرہ وہ حدیث ہے کہ کے متعدد طرق ہو، کثرت طرق سے اس کے ضعف کا نقصان پورا ہو جائے، یہی وہ تعریف ہے جس پر امام ترمذی نے حسن کا اطلاق کیا ہے، ابن الصلاح نے بھی امام ترمذی کی کلام سے یہی مراد لیا ہے۔(20) امام ترمذی اور دیگر محدثین حسن کے نام میں تو متفق ہیں، لیکن حسن کی دو قسموں کے مابین تمیز میں

---

(17) ابن سید الناس۔ النفح الشذی شرح جامع الترمذی: ۱/۳۲۔ (دار الصمیعی للنشر والتوزیع، ریاض، ط: الاولی، ۲۰۰۷م)
Ibne Sayed al Nās, Al Nafaḥ al Shuzī Sharaḥ Jām'e al Tirmidhī:1/32,(Dār al ṣamee'ī lil Nashar wa al tuaze'e,Riyād,Ṭaba al ola,2007)

(18) سخاوی، محمد بن عبدالرحمن، شمس الدین، امام۔ فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث: ۱/۹۵۔ (مکتبۃ السنۃ، مصر۔ ط: اولی، ۲۰۰۳ء بتصرف
Sakhāvi,Muḥammad bin Abdulreḥmān,Shamas ul deen,Imām, Fataḥ al Mugheeth bi Sharaḥ al Fiat al Ḥadith:1/95,(Maktaba al Sunnah, Miṣar,Ṭaba ola,2003)

(19) نورالدین عتر، الامام الترمذی والموازنۃ بین جامعہ وبین الصحیحین، ص: ۱۷۰۔ (مطبعۃ لجنۃ التالیف والترجمۃ والنشر ط: اولی، ۱۹۷۰ء)
Noor ul deen I'tar, al Imām al Tirmidhī wal Mawāznat ban Jāmia wa ban al ṣaḥiḥain,P:170,(Maṭaba't li Janat al Tālif wa al Tarjma wa al Nashar,Ṭaba ola,1970)

20 مشہور محقق واصولی ڈاکٹر محمود طحان نے بھی اسی رائے کو اختیار کیا ہے، ان کا کہنا ہے: "وأما الترمذي فقد عرف أحد قسمي الحسن، وهو الحسن لغيره "(طحان، محمود، ڈاکٹر۔ تیسیر مصطلح الحدیث، ص: ۵۸۔ (مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع۔ ط: ۲۰۰۴ء)
ترجمہ: امام ترمذی نے دراصل حسن کی دونوں قسموں میں سے حسن لغیرہ کی تعریف کی ہے۔

امام ترمذی باقی محدثین سے الگ رائے رکھتے ہیں، امام ترمذی جب بغیر صفت اور قرینے کے مطلق حسن کی اصطلاح استعمال کریں تو اس سے ان کی مراد حسن لغیرہ ہوتی ہے، باقی محدثین نے جب مطلق حسن کا تذکرہ کرتے ہیں تو ان کی مراد حسن لذاتہ ہوتی ہے۔امام ترمذی جب حسن لذاتہ کے درجہ کی روایت ذکر کرتے ہیں تو اس کے حکم کو قرینے کے ذریعے واضح کر دیتے ہیں۔

ڈاکٹر عداب محمود حمش اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ میں اپنی تحقیق کا ماحصل ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

يبدو لي أن الترمذي حيث عرف الحسن، عرفه بحده الأدنى وليس بحده الأعلى، فأقل أحوال الحسن عنده أن تتحقق فيه ثلاثة شروط:

1 ألا يكون راويه متهماً بالكذب أو الوضع.

2 أن يكون الحديث شاذاً مخالفاً لما هو أصح منه- سنداً ومتناً- وليس متناً فقط كما رجحه ابن رجب.

3 أن يأتي من طريق آخر دون مدار الحديث يقوي من به ضعف في السند الآخر، أما صرف ذلك إلى المتن فغيرصحيح أبداً وقد رأيت الترمذي لا يعتمد على الشواهد في تصحيح الأحاديث كثيراً، وإنما يعتمد المتابعات."(21)

ترجمہ: امام ترمذی کی حسن کی تعریف کے حوالے سے میرے لیے یہ بات کھل کر سامنے آئی ہے کہ امام صاحب نے حسن کی اعلیٰ ترین قسم کی تعریف نہیں کی، بلکہ حسن کا اقل ترین درجہ ان کے نزدیک حسن ہے، پھر انہوں نے اسے تین شرائط کے ساتھ متحقق کیا ہے:

أ. راوی متہم بالکذب والوضع نہ ہو۔

ب. حدیث سند اور متن کے لحاظ سے شاذ نہ ہو اور اپنے سے زیادہ صحیح کے مخالف نہ ہو، حافظ ابن رجب نے بھی اسی کو راجح کہا ہے۔

Ṭaḥān ,Meḥmood,Doctor, Taiseer Musṭaliḥ al Ḥadith,P:58,(Maktaba al Mu'ārif lil Nashar wa Tuaze'e, Ṭaba 2004)

(21) حمش، عداب محمود، ڈاکٹر۔ الامام الترمذی ومنهجه فی کتابه الجامع: ۱/۳۹۷۔(دار الفتح للدراسات والنشر، عمان، اُردن۔ ط: اولی، ۲۰۰۳ء)، یہ ڈاکٹر حمش کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے۔

Ḥamsh,A'dāb Meḥmood,Doctor ,al Imām al Tirmidhī wa Minhaba fī Kitāb al Jām'e: 1/397,(Dār al Fataḥ lil Darasāt wa al Nashar,U'mān,Urdan,Ṭaba ola,2003)

ج. روایت کے لیے متابعت قاصرہ یا متابعت تامہ ہو جس کی وجہ سے دوسری سند کے ضعف کو تقویت مل جائے، صرف متن کی طرف اس متابعت کو موڑنا صحیح نہیں ہے، میں نے امام ترمذی کا جائزہ لیا ہے کہ وہ حدیث کی تصحیح میں شواہد پر اعتماد نہیں کرتے بلکہ متابعت پر اعتماد کرتے ہیں۔

اہل علم کی آرا کا خلاصہ

امام ترمذی کی حسن سے مراد واضح کرنے کے لیے اہل علم کی توضیحات کا خلاصہ درج ذیل ہے:

1. امام ترمذی نے محدثین والی حسن کی متفقہ تعریف نہیں کی، بلکہ انہوں نے نقائص کی صورت میں مستور راوی کی روایت کے قابل قبول ہونے کی تین شرطیں لگائی ہیں۔
2. امام ترمذی نے دراصل حسن لغیرہ کی تعریف کی ہے۔
3. امام ترمذی نے حسن کی صحیح سے کوئی الگ تعریف نہیں کی، بلکہ ان کے نزدیک صحیح بھی حسن میں شامل ہے۔
4. حسن سے امام صاحب کی مراد لغوی حسن ہے جو کہ متن کا خوبصورت ہوتا ہے۔
5. امام صاحب نے دراصل حسن کے اقل ترین درجے کی تعریف کی ہے۔

امام ترمذی کی تعریف پر اہل علم کی تنقید:

مختلف علمائے کرام نے امام ترمذی نے جو حسن کی تعریف کی ہے، اس پر اعتراضات کیے ہیں، ان تنقیدات میں سے چند ایک درج ذیل ہیں: حافظ ابن الصلاح امام صاحب کی تعریف پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"وليس فيما ذكره الترمذي والخطابي ما يفصل الحسن من الصحيح."[22]

ترجمہ: امام ترمذی اور امام خطابی نے جو حسن کی تعریف کی ہے، وہ اسے صحیح سے الگ نہیں کرتی۔

مؤرخ اسلام حافظ ذہبی کہتے ہیں:

"وتحسين الترمذي لا يكفي في الاحتجاج بالحديث"[23]

---

(22) ابن الصلاح۔ معرفۃ انواع علوم الحدیث، ص: ۳۰۔ ت: ماہر یاسین الفحل۔ (دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ ط: ۲۰۰۲م)
Ibne ṣalāḥ,Ma'rifat Anwā' U'loom al Ḥadith,P:30, Māhir Yāseen al Faḥal,(Dār al Kutab al I'lmia, Beirūt ,Ṭaba:2002)

(23) ذہبی۔ تاریخ اسلام و وفیات المشاہیر والاعلام: ۲/۳۹۷۔ ت: بشار معروف عواد، (دار الغرب الاسلامی، ط: ۲۰۰۳م)
Zahbī,Tārikh Islām wa Wafyāt al Mashāhir wal A'lām:2/397, Bashar M'aroof A'wād,(Dār al Gharab al Islāmī,Ṭaba:2003

ترجمہ: حدیث سے دلیل لینے کے لیے امام ترمذی کی تحسین کافی نہیں ہے۔

حافظ سخاوی امام صاحب کی تعریف تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"فقد تبين عدم كون هذا التعريف جامعا للحسن بقسميه، فضلا عن دخول الصحيح بقسميه، وإن زعمه بعضهم، فراويه لا يكتفى في وصفه بما ذكر، بل لا بد من وصفه بما يدل على الإتقان."[24]

ترجمہ: یقیناً یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ یہ تعریف حسن کی دونوں قسموں کو شامل نہیں ہے، چہ جائے کہ صحیح کی دونوں قسمیں اس میں شامل کی جائیں، اگرچہ بعض لوگوں نے ایسا گمان کیا ہے، کیونکہ راوی کے جو اوصاف اس تعریف میں ذکر کیے گئے ہیں، وہ صحیح کے لیے کافی نہیں ہے، بلکہ اس میں راوی میں متقن ہونے کی وصف لازمی ہونی چاہئے۔ شارح ترمذی علامہ محمد عبدالرحمن مبارکپوری فرماتے ہیں:

"وأما تحسين الترمذي فلا اعتماد عليه لما فيه من التساهل"[25]

ترجمہ: امام ترمذی کی تحسین پر اعتماد نہیں ہے جس حکم میں تساہل کا مظاہرہ کریں۔

اہل علم کی تنقیدات کا خلاصہ:

اہل علم کی تنقیدات کا خلاصہ درج ذیل ہے:

1 امام صاحب کی تعریف حسن کو صحیح سے الگ نہیں کرتی۔

2 حدیث سے دلیل لینے کے لیے امام ترمذی کی تحسین کافی نہیں ہے۔

3 امام صاحب کی تعریف جامع نہیں جو کہ حسن ہی کی دونوں قسموں کو شامل نہیں ہے۔

4 امام ترمذی حسن کا حکم لگانے میں متساہل ہیں۔

5 امام صاحب کی تعریف اور جامع ترمذی میں حسن کے حکم مطابقت نہیں رکھتے۔

اہل علم کی توضیحات اور تنقیدات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ

اہل علم کی توضیحات کے حوالے سے ہماری گزارشات درج ذیل ہیں:

(24) سخاوی۔ فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث: ۸۹/۱

Sakhāvī,Fataḥ al Mughith bī Sharaḥ al Fiat al Ḥadith:1/89

(25) مبارک پوری۔ تحفۃ الاحوذی: ۹۳/۲۔ (دار الکتب العلمیہ، بیروت۔)

Mubārak Purī, Toḥfa al Aḥwazī:2/93,(Dār al Kutab al I'lmia, Beirūt)

1 اہل علم نے جو امام صاحب کی مراد کو واضح کیا ہے، ان میں اکثر نے نظری انداز اختیار کیا ہے، جامع ترمذی کا استقرائی، تطبیقی اور عملی جائزہ لے کر توضیح نہیں کی جس وجہ سے اکثر اہل علم امام صاحب کی صحیح مراد سمجھ نہیں سکے۔

2 حافظ ابن حجر کا کہنا کہ مستور راوی جب مختلط، ضعیف اور کثیر الخطاء ہو تو اس کی روایت کے قابل قبول ہونے کے لیے امام صاحب نے یہ تین شرطیں لگائی ہیں، حسن کی تعریف یہ نہیں ہے۔ حافظ کا یہ نکتہ نظر ناقابل التفات ہے، کیونکہ امام صاحب نے جب خود واضح کر دیا ہے کہ ہمارے نزدیک حسن کی یہ تعریف ہے تو پھر کیسے کوئی دعویٰ کر سکتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ حسن کی تعریف نہیں ہے۔ مزید صحیحین کی روایات کو بھی امام صاحب نے حسن کہہ رکھا ہے جو کہ حسن سے اوپر والے درجہ کی ہیں، جن میں کوئی مستور راوی ہو ہی نہیں سکتا۔

3 یہ کہنا ہے کہ امام ترمذی نے دراصل حسن لغیرہ اور حسن کے اقل ترین درجہ کی تعریف کی ہے تو یہ بھی جامع ترمذی کا استقرائی جائزہ لینے کے بعد درست معلوم نہیں ہوتا۔

4 دراصل امام ترمذی خود مجتہد مطلق تھے۔ سب سے پہلے انہوں نے حسن کی تعریف خود کی اور اس میں انہوں نے کسی کی تقلید نہیں تو زیادہ درست یہی ہے کہ اب امام صاحب کی تعریف اور جامع ترمذی میں اس اصطلاح کے استعمال کا جائزہ لیں اور اس کے بعد امام صاحب کی مراد کو واضح کریں۔

5 یہ کہنا کہ حسن سے مراد لغوی حسن ہے تو یہ مؤقف بالکل حسن کی تعریف اور اس کے اطلاقات سے مطابقت نہیں رکھتا۔

اہل علم کی تنقیدات کے حوالے سے ہماری گزارشات درج ذیل ہیں:

1 امام صاحب کی حسن کی تعریف اسے صحیح سے الگ نہیں کرتی تو یہ اعتراض عدم تدبر کا نتیجہ ہے، کیونکہ پہلی اور تیسری شرط بطور خاص امام صاحب نے اسی لیے لگائی ہے کہ حسن کو صحیح سے الگ کر دیا جائے، جیسا کہ اوپر واضح کیا جا چکا ہے۔

2 حسن کی تعریف جامع نہیں، یہ اعتراض دراصل اس لیے کیا گیا ہے کہ متاخرین کے ہاں حسن کی ایک تعریف ہے اور اسے دو قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے، اب متاخرین امام صاحب کی تعریف کو اپنی تعریف کے تناظر میں دیکھتے ہیں اور اس میں نقص نکالتے ہیں، حالانکہ امام صاحب کو کیا معلوم؟ کہ متاخرین حسن کی

کیا تعریف کریں گے ؟اور اس پر مستزاد یہ کہ متاخرین آج تک خود بھی کوئی ایک جامع مانع تعریف کا دعویٰ نہیں کر سکے جس کا اطلاق تمام حسن روایات پر ہو سکے۔

3 امام ترمذی حسن کا حکم لگانے میں متساہل ہیں، یہ اعتراض جن بعض متاخرین نے کیا ہے، وہ اس بات کو نہیں دیکھ سکے کہ امام صاحب کے نزدیک حسن کے کیا معانی ہیں، انہوں نے احادیث پر امام صاحب کے حسن کے حکم دیکھے اور ان کا جائزہ متاخرین کی حسن والی تعریف کی روشنی میں لیا، بھلا جو محدث امام بخاری جیسے عظیم محدث کا شاگرد ہو اور علل جیسے مشکل ترین علم میں مہارت تامہ رکھے گا، اپنے استاذ امام بخاری سے اختلاف کر کے رواۃ پر جرح کریں، وہ کیوں کر متساہل ہو سکتے ہیں۔

4 امام صاحب نے حسن کی جو تعریف کی ہے، آپ کے احادیث پر حسن کے حکم اس سے مطابقت نہیں رکھتے، یہ حافظ عراقی کا اعتراض ہے، اس کا جواب اوپر دیا جا چکا ہے۔

امام ترمذی کے نزدیک حسن کی اصل مراد اور معانی:

اب ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے واضح کرتے ہیں کہ حسن سے امام صاحب کیا مراد لیتے ہیں اور اسے کن معانی میں استعمال کرتے ہیں۔ جامع ترمذی کا اگر استقرائی جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب نے جب مجرد حسن کا حکم لگایا ہے تو اسے ایک ہی معنیٰ میں نہیں لیا، بلکہ امام صاحب کے نزدیک اس کی درج ذیل انواع و اقسام ہیں:

1 حسن کی جو تعریف العلل الصغیر میں کی ہے، اس کے عین مطابق اس اصطلاح کو جامع ترمذی میں استعمال کیا ہے، اس کی ایک مثال یہ ہے، امام صاحب ایک روایت بایں الفاظ نقل کرتے ہیں:

"حدثنا علي بن خشرم قال: أخبرنا عيسى بن يونس، عن مجالد، عن أبي الوداك، عن أبي سعيد قال: كان عندنا خمر ليتيم فلما نزلت المائدة سألت رسول الله ﷺ عنه، وقلت: إنه ليتيم، فقال: «أهريقوه»"

اس کے بعد امام صاحب فرماتے ہیں: "وفي الباب عن أنس بن مالك: حديث أبي سعيد حديث حسن، وقد روي من غير وجه عن النبي ﷺ نحو هذا"

اب امام صاحب نے اس روایت کو حسن کہا ہے، حالانکہ روایت کی سند مجالد بن سعید کی وجہ سے ضعیف ہے۔ سیدنا انس سے مروی دوسرا طریق صحیح مسلم[26] کا ہے تو اس کی بنیاد پر امام صاحب نے حدیث ابی سعید کو بھی حسن قرار دیا ہے۔

2 جب روایت حسن ہو، مگر اس کا طریق ایک ہی ہو تو اسے امام صاحب حسن غریب یا غریب حسن کہتے ہیں۔ [27]

3 وہ حسن روایت جس میں ضعف ہوتا ہے، بعض اوقات اس کے ضعف کو واضح نہیں کرتے بلکہ صرف تحسین پر ہی اکتفا کر لیتے ہیں۔ امام صاحب ایک حدیث بایں الفاظ نقل کرتے ہیں:

"حدثنا قتيبة قال: حدثنا ابن لهيعة، عن يزيد بن أبي حبيب، عن أبي الخير، عن عقبة بن عامر قال: قلت: يا رسول الله، إنا نمر بقوم فلا هم يضيفونا، ولا هم يؤدون، ما لنا عليهم من الحق ولا نحن نأخذ منهم، فقال رسول الله ﷺ: «إن أبوا إلا أن تأخذوا كرها فخذوا»"

اس کے بعد فرماتے ہیں:

"هذا حديث حسن. وقد رواه الليث بن سعد، عن يزيد بن أبي حبيب أيضا"

اب اس روایت کی سند میں ابن لہیعہ راوی موجود ہے، جس کو خود امام صاحب اپنی کتاب میں کئی جگہ ضعیف کہہ چکے ہیں۔ لیکن اس روایت کا معنی دوسری روایات سے ثابت تھا جس کی طرف آگے امام صاحب نے اشارہ کیا ہے تو اس لیے یہاں معنی کے لحاظ سے روایت کو حسن کہہ دیا ہے۔ سند کے ضعف کی طرف اشارہ نہیں کیا۔

4 بعض دفعہ روایت کو حسن کہتے ہیں اور اس کی سند کے ضعف کو بھی واضح کر دیتے ہیں جیسا کہ امام صاحب نے ایک روایت نقل کی:

" حدثنا أحمد بن منيع قال: حدثنا يزيد بن هارون قال: أخبرنا عيسى بن ميمون الأنصاري، عن القاسم بن محمد، عن عائشة قالت:قال رسول الله ﷺ: «أعلنوا هذا النكاح، واجعلوه في المساجد، واضربوا عليه بالدفوف»"

اس روایت کے بعد امام صاحب فرماتے ہیں:

---

(26) مسلم۔ صحیح مسلم:۳/۱۵۷۳،رقم الحدیث:۱۹۸۳۔ت:فؤاد عبدالباقی۔(داراحیاء التراث العربی،بیروت)
Muslim, Ṣaḥiḥ Muslim:3/1573,Raqam al Ḥadith:1983, Fawād Abdulbāqī,(Dār Aḥyā al Turāth al A'rbī,Beirūt)

(27) اس کی مثال حافظ عراقی کے اعتراض کے جواب میں ذکر ہو چکی ہے۔

''«هذا حديث غريب حسن في هذا الباب،» وعيسى بن ميمون الأنصاري يضعف في الحديث ''[28]

اب اس روایت کا ضعف بھی ثابت کر دیا ہے اور اس کا کوئی دوسرا طریق بھی نہیں، لیکن امام صاحب نے جس باب ''باب ما جاء في إعلان النكاح'' کے تحت اس حدیث کو لائے ہیں، وہ مسئلہ دیگر احادیث سے ثابت ہے تو اس بنیاد پر امام صاحب کو روایت کو حسن کہہ دیا ہے۔

5 بعض دفعہ روایت کو حسن کہتے ہیں اور اس کے معلول ہونے کو بھی واضح کرتے ہیں۔امام صاحب نے ایک حدیث کو نقل کیا ہے:

''حدثنا أحمد بن منيع قال: حدثنا أبو معاوية، عن الأعمش، عن إبراهيم، عن علقمة، عن عمر بن الخطاب، قال: «كان رسول الله ﷺ يسمر مع أبي بكر في الأمر من أمر المسلمين وأنا معهما»''

اس روایت کے بعد امام صاحب فرماتے ہیں:

''وفي الباب عن عبد الله بن عمرو، وأوس بن حذيفة، وعمران بن حصين، «حديث عمر حديث حسن» وقد روى هذا الحديث الحسن بن عبيد الله، عن إبراهيم، عن علقمة، عن رجل من جعفي يقال له: قيس أو ابن قيس، عن عمر، عن النبي ﷺ هذا الحديث في قصة طويلة '' [29]

اب اس روایت کو امام صاحب نے حسن بھی کہا ہے اور سند میں علت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے اور وہ علقمہ کا عمر بن خطاب سے عدم سماع ہے، لیکن اس روایت کے رواۃ مشاہیر ثقات ہیں، امام صاحب اس روایت کو حسن صحیح کہنا چاہتے ہیں، لیکن اس کی علت کی طرف اشارہ کرنے کے لیے آپ نے حسن کا حکم لگایا ہے۔

6 امام صاحب حسن کے حکم کے ساتھ صحیح کو ملا دیتے ہیں اور حسن صحیح کہہ دیتے ہیں، جب حسن روایت صحت کا فائدہ دے، تب ایسا کرتے ہیں، یہ اصطلاح ترمذی میں مشہور ہے، مثال کی ضرورت نہیں۔

7 امام صاحب روایت کو حسن کہتے ہیں، حالانکہ وہ جمہور کے نزدیک صحیح ہوتی ہے، کیونکہ وہ صحیحین میں منقول ہوتی ہے۔امام صاحب نے ایک روایت کو نقل کیا ہے:

---

(28) ترمذی۔جامع ترمذی:۳/۳۹۰،رقم الحدیث:۱۰۸۹

Tirmidhī, Jām’e Tirmidhī:3/390,Raqam al Ḥadith:1089

(29) ایضاً، ۱/۳۱۵،رقم الحدیث:۱۶۹

Ibid.1/315,Raqam al Ḥadith:169

"حدثنا محمد بن بشار قال: حدثنا محمد بن جعفر قال: حدثنا عبد الله بن سعيد بن أبي هند، عن سالم أبي النضر، عن بسر بن سعيد، عن زيد بن ثابت، عن النبي ﷺ قال: «أفضل صلاتكم في بيوتكم إلا المكتوبة»"

اس روایت کے بعد آپ فرماتے ہیں:

"وفي الباب عن عمر بن الخطاب، وجابر بن عبد الله، وأبي سعيد، وأبي هريرة، وابن عمر، وعائشة، وعبد الله بن سعد، وزيد بن خالد الجهني: «حديث زيد بن ثابت حديث حسن، وقد اختلفوا في رواية هذا الحديث» فروى موسى بن عقبة، وإبراهيم بن أبي النضر، عن أبي النضر مرفوعا، ورواه مالك، عن أبي النضر «ولم يرفعه، وأوقفه بعضهم، والحديث المرفوع أصح»"

اب یہ روایت ہے تو صحیح، لیکن امام صاحب اس کے موقوف اور مرفوع ہونے کے مابین جس اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس کے مرفوع ہونے کو صحیح قرار دیا ہے۔ بعض اوقات امام صاحب کی عادت ہے کہ اختلاف کے وقت احتیاطاً ادنیٰ درجہ والا حکم لگا دیتے ہیں۔

اس وضاحت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک حسن کی ایک خاص تعریف ہے اور اسے امام صاحب مختلف معانی میں استعمال کرتے ہیں، لیکن حسن کی تعریف کے دائرہ سے باہر نہیں جاتے، جو اہل علم اس بارے میں امام صاحب پر تنقید کرتے ہیں، وہ دراصل امام صاحب کی اصل توجیہ کو نہیں جان سکے۔

نتائج البحث

بحث کے نتائج درج ذیل ہیں:

1 حسن روایت کی تعریف میں جس طرح کئی ایک علمائے کرام نے اختلاف کیا ہے، اسی طرح امام ترمذی کے ہاں بھی حسن بھی ایک مختلف تعریف ہے۔

2 امام ترمذی کے نزدیک حسن کی تین شرطیں ہیں۔ روایت شاذ نہ ہو، اس کا کوئی راوی متہم بالکذب نہ ہو اور وہ روایت کم از کم دو طریق سے مروی ہو۔

3 حافظ ابن حجر کا کہنا ہے کہ امام ترمذی نے محدثین والی حسن کی متفقہ تعریف نہیں کی، بلکہ انہوں نے نقائص کی صورت میں مستور راوی کی روایت کے قابل قبول ہونے کی تین شرطیں لگائی ہیں۔

4 ڈاکٹر نور الدین عتر اور ڈاکٹر محمود طحان کے مطابق امام ترمذی نے دراصل حسن لغیرہ کی تعریف کی ہے۔

5 حافظ سخاوی کے نزدیک حسن سے امام صاحب کی مراد لغوی حسن ہے جو کہ متن کا خوبصورت ہونا ہے۔

6 ڈاکٹر عداب محمود حمش کی تحقیق کے مطابق امام صاحب نے در اصل حسن کے اقل ترین درجے کی تعریف کی ہے۔

7 حافظ ذہبی، علامہ محمد عبدالرحمن مبارک پوری اور دیگر علمائے کرام نے اس اصطلاح کی بنیاد پر امام ترمذی کو متساہل بھی کہا ہے۔

8 حافظ ابن کثیر جیسے وسیع المطالعہ عالم دین امام ترمذی کی اس تعریف کے صحیح مصدر کے حوالے سے لاعلم رہے ہیں۔

9 علمائے کرام نے بھی امام ترمذی کی صحیح مراد کو سمجھنے میں اختلاف کیا ہے، اس کی اصل وجہ نظری انداز سے امام ترمذی کی تعریف کا جائزہ لینا ہے، استقرائی پہلو سے امام صاحب کو تعریف اور ان کے اطلاقات کو مد نظر نہیں رکھا گیا۔

10 امام ترمذی کے نزدیک حسن کی ایک خاص تعریف ہے اور اسے امام صاحب مختلف معانی میں استعمال کرتے ہیں، لیکن حسن کی تعریف کے دائرہ سے باہر نہیں جاتے، جو اہل علم اس بارے میں امام صاحب پر تنقید کرتے ہیں، وہ در اصل امام صاحب کی اصل توجیہ کو نہیں جان سکے۔ جامع ترمذی کا استقرائی جائزہ لیا جائے تو یہ بات آسانی سے سمجھی جاسکتی ہے۔

اصول حدیث میں ''حسن'' ایک معروف اصطلاح ہے جس کی تعریف میں علمائے کرام میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے، حتی کہ بعض اہل علم نے تو اس کا بالکل ہی انکار کیا ہے، جن میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا نام سر فہرست ہے۔ امام ترمذی کی معروف کتاب جامع ترمذی میں بھی یہ اصطلاح بکثرت مذکور کیا ہے اور امام صاحب نے اسے کئی ایک معانی میں استعمال کیا ہے اور امام ترمذی ہی وہ پہلے امام ہیں جنہوں نے حسن روایت کی مستقل طور پر ایک تعریف کی، اگرچہ بعد والے علمائے کرام نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے مختلف تعریفات کیں اور حافظ ابن حجر تک یہ سلسلہ جاری و ساری رہا۔ اب متاخرین علمائے کرام نے جب جامع ترمذی کی احادیث کا مطالعہ کیا اور وہاں دیکھا کہ بے شمار احادیث کو امام ترمذی نے حسن قرار دیا ہے اور انہوں نے حسن اصطلاح کو ایک معروف تعریف کے تناظر میں لیا، لیکن دوسری طرف انہوں نے دیکھا کہ جن روایات کو امام ترمذی نے حسن کہا ہے، ان کی اسناد میں کلام ہے تو انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ امام ترمذی کی حسن قابل اعتماد نہیں اور اس کے سبب امام ترمذی کو متساہل کا الزام دے دیا، حالانکہ امام ترمذی کے ہاں ''حسن'' ایک مخصوص اصطلاح ہے اور اس کی خود تعریف امام ترمذی نے کر دی ہے، بعض اہل علم کی اگرچہ اس تعریف تک ہی رسائی نہ ہوئی، جن میں امام ابن کثیر جیسے وسیع المطالعہ عالم دین بھی شامل ہے، اب ایک بنیادی

سوال حاشیہ خیال پر نمایاں ہو رہا تھا کہ اہل علم کو امام ترمذی کی اصطلاح کو سمجھنے میں یہ غلطی کیوں لگی؟ جس کے سبب جامع ترمذی کی کئی ایک احادیث کی استنادی حیثیت غیر واضح ہو رہی تھی اور امام ترمذی کی اصطلاح کو سمجھنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟اور امام ترمذی کی اس اصطلاح سے اصل مراد کیا ہے؟ یہی وہ بنیادی سوالات تحقیق ہیں، جن کا جواب اس تحقیق میں پیش کیا گیا ہے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License